16, M. HABIBUR REHMAN SAHIB,
Hony. Secretary,
Anjuman Taraqqi-e-Urdu,
Himayat Nagar,
HYDERABAD (DECCAN).

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۳
ٹیلیفون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
”انجمن“ علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

نمبر ۱۷	۱۲ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ	ایڈیٹر قاضی عبدالغفار	یکم ستمبر ۱۹۵۵ء	جلد ۱۴

قومی یا سرکاری؟

زبان کے متعلق ہندوستان کے دستور کی دفعہ ۳۴۳ کا عنوان "سرکاری زبان" ہے اور اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

"۳۴۳ (۱) یونین کی سرکاری زبان دیوناگری رسم الخط میں ہندی ہوگی۔"

سرکاری زبان کے عنوان کے بعد دوسرے باب کا عنوان "علاقائی زبانیں" ہے جس کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار کہ کونسی زبان کس علاقے کی علاقائی زبان ہے، صدر جمہوریہ کو دیا گیا ہے۔ دیوناگری رسم الخط میں ہندی زبان کو کسی جگہ بھی "قومی" زبان نہیں لکھا گیا۔ اور اگر ایسا کیا جاتا تو یہ ایک بڑی غلطی ہوتی اس لئے کہ درحقیقت ۱۴ علاقائی زبانوں کو آٹھویں فہرست میں شامل کرنے کے بعد (جس میں ہندی بھی شامل ہے) کوئی ایک زبان ہندوستان کی قومی زبان تسلیم نہیں کی جاسکتی تھی۔ قومی زبان تو وہی زبان ہوتی ہے جو کسی ملک کے ہر گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہو اور تمام ملک کے مختلف لسانی علاقوں میں ربط پیدا کرتی ہو۔ ایسی کسی زبان کا وجود اس ملک میں نہیں ہے اور دنیا کے کسی ملک میں جہاں ایک سے زیادہ زبانیں رائج ہوں، کسی ایک زبان کو "سرکاری" تو بنایا جاسکتا ہے لیکن "قومی" قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہمارے ضرورت سے زیادہ پرجوش ہندی پریمیوں نے شروع ہی سے ہندی زبان پر قومی زبان کا لیبل لگا کر اس کا پروپیگنڈا شروع کیا اور شمالی ہند کی بعض ریاستوں کی حد تک یہ پروپیگنڈا کسی قدر موثر بھی ہوا۔ اس لئے کہ ان ریاستوں میں سرکاری اقتدار اس پروپیگنڈے کے پس پشت تھا اور اردو کے سوا کوئی دوسری زبان بھی نہ تھی جو ہندی کے اس دعوے کو چیلنج کرتی۔ اردو والے کمزور تھے اور "قومی" اور "سرکاری" کے فتنہ انگیز امتیاز کو سمجھ بھی نہ سکے۔ لیکن جنوبی ہند میں جب ہندی پرچار کی زد وہاں کی علاقائی زبانوں پر پڑنے لگی تو وہاں کی متحدہ علاقائی عصبیت مقابلہ پر کھڑی ہوگئی اور ہندی کے جارحانہ پروپیگنڈے نے وہاں ایک مخالفانہ شورش پیدا کردی۔ اب صورت کچھ ایسی ہوگئی کہ شمالی اور جنوبی ہند میں اس مسئلہ پر نمایاں تفریق پیدا ہوگئی اور جنوبی ہند میں حکومتوں نے بھی ہندی کے مقابلے میں اپنی مقامی اور علاقائی زبانوں کی تائید کرنی شروع کردی۔

حال ہی میں جنوبی ہند کی علاقائی زبانوں اور ہندی کے درمیان جو تصادم ہو رہا ہے اس کا ایک مظاہرہ مدراس کی اسمبلی میں ہوا جہاں اول تو مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مدلیار نے حکومت کے ایک سرکلر کا ذکر کرتے ہوئے صاف صاف کہا کہ:

"اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہندی کو دوسرے لوگوں پر کس طرح ٹھونسا جارہا ہے۔ شمالی ہند کے ممبروں نے جو اب تک پارلیمنٹ میں تقریریں کیا کرتے تھے، اب

ہندی کو پونٹی شروع کر دی ہے۔ غیر ہندی علاقوں کے سرکاری ملازمین کو ہندی سیکھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے ان واقعات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ ہندی کو مسلط نہیں کیا جا رہا ہے، واقعہ کے خلاف ہے۔" اس بیان سے واضح ہوگا کہ جنوبی ہند کے لوگ بھی ہندی کے خلاف نہیں ہیں، انھیں صرف یہ شکایت ہے کہ ہندی کے بارے میں زبردستی کی جا رہی ہے اور اس زبردستی کا مطلب علاقائی زبانوں کو کمزور کرنا ہے۔"

اس کے بعد مدراس کے وزیر مالیات نے حکومت کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اس مسئلے کی پوری وضاحت ان الفاظ میں کر دی:-

"ہندی، ہندوستان کی قومی زبان نہیں ہے وہ ان چودہ زبانوں میں سے ایک ہے جنھیں دستور ہند میں علاقائی حیثیت دی گئی ہے۔ میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ کسی زبان کو کسی زبان پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ جہاں تک ہماری گورنمنٹ کا تعلق ہے۔ اس کی واضح پالیسی یہ ہے کہ ذریعہ تعلیم ہندی کے بجائے علاقائی زبان ہوگی۔ دستور ہند میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ ہندی یونین گورنمنٹ کی سرکاری زبان ہوگی، اس سے زیادہ نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یونین گورنمنٹ اور ریاستوں میں جو کاروبار ہو وہ ہندی زبان میں ہو جو لوگ ملک کی وحدت چاہتے ہیں انھیں ضرور ہندی کو اپنانا چاہئے کیونکہ یہ زبان ۱۴ کروڑ انسانوں کی زبان ہے حالات کی مجبوری سے ہندی کو اپنانا ضروری ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ علاقائی زبانوں کو ہندی کے تابع کر دیا جائے یہ بات کہ آل انڈیا امتحانوں کے لئے ہندی کو قبول کیا جائے، مدراس گورنمنٹ اس کی سخت مخالف ہے جہاں تک آل انڈیا امتحانات کا تعلق ہے۔ مدراس گورنمنٹ کی پالیسی یہ ہے کہ وہ ان تمام زبانوں میں ہو جو دستور میں علاقائی حیثیت سے تسلیم کی گئی ہیں۔"

انھوں نے کہا کہ دستور ہند کے تحت ہندی صرف "سرکاری زبان" ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ایک وفاقی حکومت کی حیثیت سے کسی ایک زبان کا مختلف ریاستوں کے درمیان سرکاری کاروبار اور خط و کتابت کے لئے اختیار کرنا ضروری تھا اور حالات کے تقاضے سے وہ مجبور تھے کہ کسی ایک زبان کو "سرکاری" زبان کی حیثیت سے اختیار کریں لیکن،

"اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ کسی علاقائی زبان کو ہندی کا ماتحت بنا دیا جائے۔"

اب جبکہ مدراس کی حکومت نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ وہ ہندی کے بجائے اپنی علاقائی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیتی ہے تو ظاہر ہے کہ تمام جنوبی ریاستوں کی پالیسی بھی یہی ہوگی ورنہ یہ امید کہ کسی زمانہ میں تعلیم کے ذریعے سے ہندی زبان کو جنوبی ہند کی "قومی زبان" بنا دیا جائے گا، خارج از قیاس ہے جب تک ہندی زبان کے پریمی اپنے عمل سے یہ بات ثابت نہ کر دیں کہ وہ فراخدلی کے ساتھ علاقائی زبانوں کو سرکاری زبان کے مقابلے میں گرانا اور کچلنا نہیں چاہتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ لسانی بنیاد پر ہندوستان کی ریاستوں اور خصوصاً جنوب و شمال میں تفریق بڑھتی جائے گی۔ شمالی ہند میں ہندی زبان کے پرچار کی جارحانہ تحریک پر اس صورت حال کی بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔

شمالی ہند میں اردو زبان کے حامیوں کو بھی یہ نکتہ پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہندی زبان کی ایک "سرکاری" حیثیت ایسی ہے جس کا ہمیں پورا احترام کرنا چاہئے، لیکن وہ "قومی حیثیت" کچھ بھی نہیں ہے۔ علاقائی زبانیں اپنے اپنے علاقے میں جو "قومی حیثیت" رکھتی ہیں اس کو اگر ہندی چیلنج کرے گی تو اپنا ہی نقصان کرے گی اور لسانی تفرقے کو زیادہ تلخ بنا دے گی۔

اتر پردیش میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرنے سے انکار بھی اسی ذہنیت پر مبنی ہے جو جنوبی ہند میں ہر جگہ شکست کھا رہی ہے لیکن اتر پردیش میں اردو والوں کی کمزوری اور پستی کی وجہ سے ہندی کے پریمیوں کو یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ تمام امکانات سے بے پرواہ ہو کر ہمارے مطالبہ کو ٹھکرا رہے ہیں۔ لیکن اگر اتر پردیش یا دہلی میں بھی رائے عامہ کی وہی تائید اردو کو حاصل ہو جائے جو جنوبی ہند میں وہاں کی علاقائی زبانوں کو حاصل ہے تو پھر ہمارے مطالبہ کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہوگا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ملک کا دستور ہمارے مطالبے کی پوری تائید کر رہا ہے۔

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اردو کے حقوق کی تحریک کو عوامی سطح پر لایا جائے تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے کہ عوام کی تائید اردو کو اسی طرح حاصل ہو جس طرح جنوبی ہند میں وہاں کی علاقائی زبانوں کو حاصل ہے۔ دہلی میں ہم اس عوامی سطح کا تھوڑا سا تجربہ کر چکے ہیں اور ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اتر پردیش میں تھوڑی تھوڑی مراعات

کے وعدوں سے جو اشک شوئی کی جا رہی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم متفق ہیں۔ سوا لاکھ آبادی کی آواز ہماری آواز کے ساتھ بلند ہوئی۔ ملک کے جمہوری نقشے میں رائے عامہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

علاقائی تحریک کو عوامی سطح پر لا کر ہم اسی طرح اپنی زبان کی حفاظت کر سکتے ہیں جس طرح جنوبی ہند میں وہاں کی علاقائی زبانوں کی حفاظت کی گئی ہے۔ ہمارے کارکنوں کیلئے یہ نکتہ بہت زیادہ غور و فکر کا مستحق ہے۔

دہلی نے کروٹ لی!

لیکن ہمیں کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کروٹ کچھ ادھوری ہے اور اس کا رخ صحیح نہیں ہے۔ ہم بہت عرصے سے انتظار کر رہے تھے کہ دہلی میں اردو کے ساتھ جو زبردستی شروع ہوئی ہے اس کے خلاف کوئی منظم آواز اٹھے، لیکن مشوروں اور غیر رسمی جلسوں میں بہت وقت صرف ہوا۔ بالآخر اردو سبھا نے ایک یادداشت تیار کر کے دہلی کے چیف منسٹر کی خدمت میں پیش کر دی۔ یہ مختصر سا مضمون اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو کو دہلی کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ لیکن ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ اس مطالبہ کا چیف منسٹر سے کیا تعلق۔ یہ معاملہ تو ملک کے دستور کے تحت براہ راست صدر جمہوریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ چیف منسٹر تو اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ اردو کے لئے جو مشکلات پیدا کی گئی ہیں ان میں کچھ تخفیف کر کے اشک شوئی کر دیں، جس طرح کہ اتر پردیش میں عمل کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس عارضی اور ہنگامی اشک شوئی سے اردو زبان کی حفاظت کا اصل مسئلہ تو حل نہیں ہوتا۔

ہم بار بار کہتے رہے ہیں کہ ریاستی حکومتیں ہماری تسکین کیلئے جو عارضی اور ہنگامی مراعات اور آسانیاں دے رہی ہیں ان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے (اور اتر پردیش میں ایسی کوشش کی جا رہی ہے)، لیکن جو مہربانیاں صرف اس لئے کی جا رہی ہوں کہ علاقائی زبان کا مطالبہ پس پشت ڈال دیا جائے ان سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اردو زبان کی بقا کی بنیادی تحریک صرف علاقائی تحریک ہے۔ ریاستی وزارت کا اقتدار تو صرف ضمنی طور پر کچھ آسانیاں ہمیں دے سکتا ہے۔ لیکن وہی اقتدار جب چاہے ان آسانیوں کو منسوخ بھی کر سکتا ہے البتہ جب دستوری حیثیت سے اردو زبان کا مقام طے ہو جائے تب ہی ہمیں یہ اطمینان حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ صرف مقامی حکومتوں کے رحم و کرم کے دائرے سے نکل کر ہمیشہ کے لئے اس ملک میں محفوظ ہو گئی۔

اردو سبھا کے کارکنوں نے اپنے مسودہ کو مقامی حکومت کے سامنے پیش کر کے کوئی صحیح قدم نہیں اٹھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اتر پردیش سے زیادہ دہلی اردو کا وطن اور مولد ہے۔ یہاں اس کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کی اہمیت یقیناً بہت زیادہ ہے اور آسانی کے ساتھ اس مطالبہ کی صحت اور سچائی کو کوئی علامت رد بھی نہیں کر سکتی۔ مقامی حکومت میں عقل و فہم اور انصاف اور حق پرستی کا دعویٰ کرنے والے شاید چند ہی افراد ایسے ہوں گے جو یہ کہنے کی جرات کریں کہ اردو زبان دہلی کی علاقائی زبان نہیں ہے۔ ایسے لوگوں پر ساری دنیا ہنسے گی۔ لیکن اردو کے اس دعوے کا استقرار کرنے کے لئے صحیح طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ معاملہ اب چند اصحاب فکر کے مشوروں کی حدود سے گزر چکا ہے۔ اگر وہ عوامی سطح پر نہ لایا جائے گا تو اس تحریک میں کوئی وزن اور اثر پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہم سے اگر مشورہ کیا جائے تو ہم تو یہی کہیں گے کہ اس تحریک کو منظم کر کے اور دستخطی مہم شروع کر کے صدر جمہوریہ سے رجوع کیا جائے اور دستور کے تحت جتنے بھی راستے کھلے ہوں ان پر قدم بڑھانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

اگر یہ محضر دہلی کی اس آبادی کے دستخطوں کے ساتھ جس کی مادری زبان اردو ہے (اور جس میں بلا شبہ بہت سے پنجاب سے آئے ہوئے غیر مسلم شرنارتھی اور دہلی کے بہت سے ہندو خاندان بھی شامل ہیں) صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کیا جائے تو اس تحریک کی سطح بہت بلند ہو جاتی ہے۔ محض مقامی حکام کی عنایت اور توجہ کی آرزو کو دلوں میں پرورش کر کے کسی اچھے نتیجے کی امید کرنا عبث ہے۔ اتر پردیش میں جو مثالیں قائم کی گئی ہیں ان کی تقلید دوسری ریاستوں میں بھی ہو رہی ہے اور اندیشہ ہے کہ دہلی کی حکومت بھی عارضی پیوند لگا کر اور رفو کر کے علاقائی زبان کے مطالبے کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کرے گی۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ابھی دہلی کے چیف منسٹر صاحب نے محضر کا کوئی جواب دیا ہے یا نہیں، لیکن ہم ابھی بتائے دیتے ہیں کہ جواب دیا گیا تو بظاہر خوشگوار اور تسکین بخش ہوگا جیسے جواب اتر پردیش کی حکومت دیتی رہی ہے۔ لیکن یہ سیدھا راستہ نہیں ہے۔

ہماری رائے میں دہلی کی انجمن ترقی اردو اور اردو سبھا کو ایک متحدہ محاذ بنا کر آگے بڑھنا چاہئے اور عوام کی پوری تائید حاصل

کے کہ ملک کے دستور کے تحت صدر جمہوریہ کی خدمت میں اپنا مطالبہ پیش کرنا چاہیے اور یہ کام بغیر کسی تاخیر کے ہونا چاہیے۔

"اردو سبھا" دہلی کی طرف سے جو محضر نامہ حکومت دہلی کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کا متن حسب ذیل ہے"

ہمیں یہ معلوم کرکے ایک گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ حکومت دہلی اس صوبہ کی زبان کے مسئلے پر توجہ کر رہی ہے۔ دہلی میں جب سے انگریزی راج قائم ہوا یہاں کی سرکاری زبان انگریزی اور اردو رہی۔ ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد اور تقسیم ہونے کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ان میں ہندی کو کافی فروغ حاصل ہوا اور آزاد ہندوستان کے آئین میں اسے بھارت کی سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ جب ہم آئین ہند کو تسلیم کرتے ہیں تو اسے تسلیم کرنا بھی ہمارا فرض ہے اور ہم اسے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندی بھارت سرکار کی سرکاری زبان ہے اور اردو سبھا کے دھیان میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ اردو اور ہندی میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کی جائے مگر آئین میں پندرہ دوسری علاقائی مختلف زبانوں کو تسلیم کیا گیا ہے جن میں سے ایک اردو بھی ہے جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک دہلی کی سرکاری زبان رہی یوں تو اردو اور بھی بہت سے صوبوں کی سرکاری زبان رہی جن سے یہاں بحث نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اب دہلی میں اردو کی کیا حیثیت ہو؟

۱۹۵۲ء میں جب دہلی اسمبلی (جو اب دہلی ودھان سبھا کہلاتی ہے) بنی تو اس کے قواعد میں اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں کو تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن عملاً اس کی خلاف ورزی ہوئی یعنی اسمبلی کی جب کارروائی شائع ہوئی تو ہندی اور انگریزی رسم خط میں اور اگرچہ محکمہ تعلقات عامہ کے یہاں سے جتنے پریس نوٹ شائع ہوتے ہیں وہ یا تو ہندی میں یا انگریزی میں۔ حکومت دہلی کے سکریٹریٹ میں اور دہلی میونسپل کمیٹی کے دفتروں میں یا انگریزی سائن بورڈ نظر آتے ہیں یا ہندی کے۔ اور اردو کا یہ حال ہے کہ

"کہ یوں مٹا دیا گویا کہ نقش باطل تھا"

یہی کیفیت دہلی میونسپل کمیٹی کی ہے۔ سڑکوں کے نام یا انگریزی میں ملتے ہیں یا ہندی۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ انگریزی کی جگہ ہندی لے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ اردو کی جگہ ہندی لے رہی ہے۔

اسے کون نہیں جانتا کہ اردو دہلی کے گہوارہ میں پلی ہے۔ اگر کوئی ایک شخص اردو زبان کا بانی کہلا سکتا ہے تو وہ حضرت خواجہ میر خسرو تھے جن کا مزار اسی دہلی میں موجود ہے۔ دہلی کا آخری مغلیہ بادشاہ "شہنشاہ بہادر شاہ ظفر" خود اردو کا شاعر تھا۔ اور اس کے دور میں دہلی کی اردو تمام ہندوستان کے لئے سند مانی جاتی تھی۔ بلکہ اٹھارویں صدی کے آخر میں ہی دہلی کی زبان ٹکسالی مانی جاتی تھی میر اور سودا کے زمانے سے لیکر موجودہ دور میں علامہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی کے عہد تک کتنے ہی ہندو مسلمان اسی دہلی میں ایسے گزرے ہیں اور ہیں جن کی زبان کی دھاک دور دور بیٹھی تھی۔ یہی نہیں بلکہ یہاں کے دوکان داروں اور خوانچہ فروشوں تک کی زبان سند مانی جاتی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آخر سے اب تک کتنے ہی انقلاب آئے۔ مگر زبان پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ البتہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب سے نئے حالات پیدا ہوئے۔ ہمیں ان مصیبتوں سے بحث نہیں لیکن دہلی کی زبان آج بھی اردو ہے۔ اور میونسپل کمیٹی کے جلسوں میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ بھی اردو ہوتی ہے۔ لاکھوں اشخاص جو پنجاب، سرحد اور سندھ سے بے گھر ہو کر آئے ان کا رسم خط بھی اردو ہے۔ یہ بات اور ہے کہ اردو پاکستان کی سرکاری زبان بن گئی اور شاید سیاسی وجوہ سے اس کا اثر دماغوں پر پڑا ہو۔ اسی سیاسی اثر ہی کی وجہ سے مردم شماری کے وقت اور کمیٹی، اسمبلی و پارلیمنٹ کے ووٹروں کا رجسٹر مرتب کئے جانے کے وقت بہت سے آدمیوں نے باوجود اردو بولنے کے اور قطعی ہندی نہ آنے پر بھی اردو کی بجائے ہندی کو اپنی زبان لکھوایا ایسا کچھ تو از خود ہوا اور کچھ مرتب کرنے والوں نے خود ہی لکھ دیا۔ یہ اہم اور غور طلب کھلی حقیقت کا اعتراف اور انکشاف خود گورنمنٹ آف انڈیا کے پریس کمیشن نے اپنی سرکاری رپورٹ میں جا بجا کیا ہے جو شائع ہو چکی ہے۔ پریس کمیشن نے اردو جاننے اور بولنے والوں کی مختلف صوبوں میں تعداد کے اعداد و شمار تحریر کرتے ہوئے صاف لکھ دیا ہے کہ اردو بولنے والے اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ جتنے لوگوں نے اردو اپنی زبان لکھائی ہے اور ایسا کہیں جذباتی اثرات سے ہوا ہے۔ کہیں سرکاری کارندوں کے دباؤ سے۔

یوں بھی ادبی تحریروں میں چاہے ہندی اردو کا کوئی فرق ہو مگر روزمرہ کی زبان میں، بازار، دوکان، مکان، مقدمہ، عدالت، وکیل، سبزی، میوہ، طبیعت، مزاج، حال، نمک، مسالہ، مصالحہ، قلم دوات، کاغذ، اخبار، صدری، قمیص، پائجامہ، استرہ، قینچی، چاقو، شیشہ، میز، کرسی، تخت، چارپائی، بستر، تکیہ، چادر، لحاف، حقہ، صراحی، قبرستان، آبادی، کبوتر، بلبل، دوا دارو وغیرہ ایسے زندگی کے ہر شعبے کے ہزاروں لفظ دہلی اور دور دور تک بلا تکلف بولے جاتے ہیں اور کسی کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں کب اور کہاں سے آئے۔ رہی یہ بات کہ کچھ لوگ اب ان کی جگہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور گھڑ گھڑ کر کچھ اور لفظ بولنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آپ ہی کی زبان پر

ہے کہ طبیعت کیسی ہے؟ کیا حال ہے؟ چاہے پلیٹ فارم پر جاکر مصلوح تکلف سے پکا اردو ہی کہا جائے۔

ہم کوئی طویل بحث چھیڑنا نہیں چاہتے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ بھارت کے دس لاکھ میل کے مربع رقبہ میں ۵۰۰ مربع میل کے دہلی کے علاقہ کو اردو کا علاقہ قرار دینا انصاف اور حقیقت کا تقاضا ہے یوں تو ہندوستان میں کروڑوں اردو والے اور بولنے والے ہیں۔ لیکن ان میں سے لاکھوں دہلی میں بستے ہیں۔ مردم شماری میں جن لوگوں نے اپنی زبان اردو کے علاوہ اور لکھائی ہے ان میں بھی لاکھوں اردو ہی بولتے ہیں۔ اس لئے ہم حکومت دہلی سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اردو کو دہلی کی علاقائی زبان قرار دے چونکہ ہندی تمام ہندوستان کی سرکاری زبان تسلیم ہو چکی ہے۔ اس لئے رقابت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارا مطالبہ دہلی صوبہ کے لئے ایک علاقائی اور محدود مطالبہ ہے۔ جس کے لئے ہم حق بجانب ہیں اور ہر انصاف پسند اسے منظور کرے گا۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— پاکستان میں مشرقی اور مغربی پاکستانیوں کے درمیان جو سودا ہوا ہے اور جس طرح نئی وزارت کی بنیاد اس وعدے پر رکھی گئی کہ مشرقی پاکستان کو علاقائی خود مختاری ہوگی، اس میں آدھے سے زیادہ پاکستان میں اردو زبان کا تو خاتمہ ہو گیا یعنی یہ اعلان پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان صرف بنگالی زبان ہوگی۔ اب علاقائی خود مختاری کے وعدے کے بعد ظاہر ہے اس ارادے اور منصوبے کی توثیق ہو جائے گی۔

——— آدھے بلکہ آدھے سے زیادہ پاکستان سے اردو کا جنازہ نکال دینے کے بعد اب رہا کیا، پنجاب کی پنجابی، سندھ کی سندھی اور سرحد کی پشتو!!

——— جو لوگ ہندوستان میں اردو کے حامیوں کو یہ طعنے دیا کرتے ہیں کہ اردو تو پاکستانی زبان ہے۔ وہ اگر تعصب کی عینک اتار دیں تو یہ حقیقت ان پر روشن ہو جائے گی کہ اردو زبان پاکستانی علاقوں کی زبان نہ کبھی تھی نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگی ——— ہندوستان کے جن علاقوں میں اس کا اصلی وطن ہے۔ وہاں سے اس کو نکالنے کے لئے اب کوئی دوسرا بہانہ تراشنا پڑے گا!!

——— یہ ایک خبر ہے ——— اردو نے گردن اٹھا دی!۔

دہلی ۱۰ اگست، آج شام دفتر جمعیۃ علماء ہند میں اردو سبھا کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے انجام دئے چونکہ عہدیداران کا انتخاب عمل میں آنا تھا، اس لئے حاضری بہت زیادہ یعنی کئی سو سے متجاوز تھی۔ اردو سبھا کے کسی اجلاس میں اتنی حاضری آج تک دیکھنے میں نہیں آئی ایک درجن سے زائد خواتین بھی تھیں۔ صدارت کے لئے کئی نام پیش ہوئے۔

مسٹر گوپی ناتھ امن جو گزشتہ سال بھی سبھا کے صدر تھے متفقہ طور پر صدر منتخب کر لئے گئے۔ دو نائبین صدر کے لئے متعدد نام پیش ہوئے لیکن کثرت آراء سے جناب ساغر نظامی صاحب اور مولانا زبیر قریشی صاحب نائبین صدر منتخب ہو گئے۔ سکریٹری شپ کے سوال پر بہت زیادہ رسہ کشی نظر آتی تھی اس صورت حال کے پیش نظر بعض ممبران کی طرف سے جلسہ کو ملتوی کرنے اور بیلٹ پیپر کے ذریعے کرانے پر زور دیا گیا لیکن حاضرین اس تجویز کو منظور کرنے کی موڈ میں نہ تھے۔ بالآخر تین نام پیش ہوئے۔ لیکن ابھی صرف دو امیدواروں کے ناموں پر رائے شماری ہوئی تھی کہ شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور کافی دیر تک جلسہ کی کارروائی جاری نہ رہی۔ دریں اثناء نماز مغرب کی بنا پر کچھ دیر کے لئے جلسہ ملتوی ہوا۔ لیکن جب دوبارہ شروع ہوا تو حاضرین کی تعداد کم رہ گئی جس کی بنا پر صدر اجلاس نے کسی آئندہ تاریخ کے لئے جلسہ ملتوی کرنا مناسب سمجھا۔ اردو سبھا کے صدر جناب گوپی ناتھ صاحب امن کو اس سلسلے میں ضروری اختیارات تفویض کئے گئے۔ آئندہ اجلاس وہی طلب کریں گے جب کہ سکریٹری اور ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کا انتخاب عمل میں آئے گا۔

——— ہائے یہ عہدے! اردو تحریک کی کشتی کو کتنے ساحل اس چٹان سے ٹکرا کر غرق ہوتی رہتی ہیں!!

——— خبر ہے کہ اترپردیش کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ شہر بنارس کا نام "بارانسی" سے تبدیل کر دیا جائے!

——— تو پھر دوسرے شہروں نے کیا گناہ کیا ہے کہ ان کے نام بدلے نہ جائیں۔ سب سے پہلے تو دلی پھر غازی آباد، مراد آباد، شاہجہاں پور، فیض آباد، مظفر نگر، الہ آباد وغیرہ وغیرہ ان سب میں بو آتی ہے سیکڑوں میں سے نہ معلوم کتنے شدھ نام تجویز کئے جا سکتے ہیں۔ صرف بنارس ہی کیوں یہ اصلاح کیوں نہ کی جائے

آپ کیا پڑھتے ہیں؟ اگر علمی، ادبی غرض وغایت۔

اسلامی فن تعمیر اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو اردو زبان میں شائع ہوئی ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اسلامی تہذیب اور اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔
قیمت مجلد چھ روپے

محاسن کلام غالب اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو غالب کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے بالکل نئے انداز سے لکھی ہے۔ کتاب کا یہ چوتھا اڈیشن ہے جس میں غالب کی تصویر کے ساتھ ساتھ بجنوری مرحوم کی تصویر اور ان کے ایک خط کا عکس تحریر شائع کیا گیا ہے۔
قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

کچھ زر کی بابت اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ زر کیا ہے اس کتاب کی اہمیت اور ضرورت پر ملک کے تمام ماہرین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
قیمت مجلد چار روپے آٹھ آنے۔

نفسیات اقوام نفسیات ایک وسیع علم ہے اور یہ کتاب اس موضوع پر پہلی کتاب ہے جو بڑی محنت اور کاوش سے اس موضوع کے ماہر استاد پروفیسر مقصود ولی الرحمن صاحب نے لکھی ہے۔
قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

مذہب اور دھرم اس کتاب میں گاندھی جی کے ان نظریات کی توضیح ہے جو ان کی زندگی کا اصول تھے اور جن کے لئے انھوں نے اپنی جان دی خوبصورت ٹائپ میں چھاپی گئی ہے۔
قیمت مجلد چار روپے۔

مشترکہ زبان زبان کے بارے میں گاندھی جی نے اپنی تحریر و تقریر میں جو کچھ کہا ہے۔ اس کا خلاصہ۔ اس کتاب میں قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے جمع کر دیا ہے۔ قیمت مجلد چار روپے آٹھ آنے۔

پرچھائیں عصمت علی مرحوم کے قلم کا شاہکار ہے جس کو اردو زبان کے ادب لطیف میں سرفہرست جگہ دی گئی ہے اعلیٰ قسم کے کاغذ پر اعلیٰ قسم کے اردو ٹائپ میں چھاپی گئی ہے۔
قیمت مجلد چار روپے

ایک مشرقی کتب خانہ اس کتاب میں ہندوستان کے مشہور کتب خانہ خدا بخش لائبریری پٹنہ کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔
قیمت مجلد تین روپے۔

یادگار حالی مرتبہ بیگم صالحہ عابد حسین۔ پیش لفظ مولانا ابوالکلام آزاد۔
قیمت چار روپے چار آنے

حیات اجمل حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کی مکمل سوانح عمری جس میں اس دور کی پوری سیاسی تحریک کا صحیح خاکہ موجود ہے۔ مرتبہ قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند
قیمت مجلد آٹھ روپے

الواح فلسفہ پروفیسر ہاکنگ کی مشہور اور معرکۃ الآرا کتاب "ٹائپس آف فلاسفی" کا کامیاب ترجمہ۔
قیمت مجلد پانچ روپے آٹھ آنے

اخلاقی سماجیات پروفیسر ڈاکٹر جعفر حسین خاں صاحب کی تالیف جو عمرانیات کے ماہرین میں سے ہیں۔
قیمت مجلد چار روپے آٹھ آنے

ہندوستانی سماجیات ڈاکٹر جعفر حسین خاں صاحب کی دوسری مفید تالیف۔
قیمت چار روپے آٹھ آنے

حیات سرسید اس کتاب میں سرسید کی تحریکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
قیمت تین روپے آٹھ آنے

دھولپور میں اردو

جناب ماسٹر مہدی حسن صاحب مہدی لکھتے ہیں کہ:-

آپ دھول پور کی تعلیم و تدریس کے شعبوں کی جانب حکومت کی توجہ کو زری اور خصوصی مبذول کرانے کی کوشش فرما کر ان طلبا کی رہبری و سرپرستی اور رہنمائی فرمائیں جو اردو زبان کو اپنی مادری زبان اور ..... سلف کی کوششوں کا نتیجہ اور یادگار سمجھتے ہوئے اس سے دلی ہمدردی رکھتے ہیں اور دل سے ان کے حصول کے کوشاں ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کی دلی امید بار آور نہیں ہوتی۔

(۱) یہاں جس قدر سرکاری درس گاہیں یا مدرسے ہیں ان تمام میں اردو قطعی نہیں پڑھائی جاتی یہاں تک ہی نہیں بلکہ طلبا کو کالج میں اسلا بولنے اردو میں کچھ تحریر کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ سرکاری مدرسوں میں اردو پڑھنے والے طلبا کی کثیر تعداد موجود ہے مگر اس طرف کوئی توجہ نہیں۔ مدرسوں میں اردو پڑھانے والا کوئی ماسٹر نہیں۔ اسی بنا پر ہمارے اسکولوں سے جو طلبا ان مذکورہ سرکاری مدرسوں میں جاتے ہیں ان کے لئے کوئی سہولت نہیں ہوتی بلکہ سرکاری مدرسے میں داخلے کے طلبا لکھی پڑھی یا حاصل کی ہوئی اردو بھی بھول جاتے ہیں۔ ان سرکاری مدرسوں کے علاوہ اور یہاں جس قدر لوئر اسکولس ہیں وہ بھی انھیں مدرسوں کے دوش بدوش ہیں۔

(۲) دھول پور ریاست دیوان جناب قاضی عزیز الدین صاحب بہادر مرحوم نے یہاں ایک انجمن، انجمن اسلامیہ کے نام سے قائم کرائی تھی جو کہ گزشتہ ۳۵ برس سے آج تک قائم ہے اس کے اخراجات اور فروغ کے لئے سری مہارانا صاحب والئی ریاست بہادر نے مبلغ ۵۰ روپیہ ماہانہ منظور فرمائے جو ماہ بماہ ملتے رہے۔ مگر بدقسمتی سے مہارانا صاحب موصوف کے اختیارات سلب ہو جانے کے بعد امداد مذکورہ کا ملنا بند ہو گیا۔ دھول پور کے غریب اور بے سرمایہ مسلمان اس کے بار کو نہ اٹھا سکے۔ اس لئے گنتی کے چند حضرات چندہ کے ذریعے آج تک اس انجمن کو قائم کئے ہوئے ہیں۔

(۳) اس انجمن کی جانب سے زمانۂ قدیم سے شہر کی مختلف جگہوں پر چار مدرسے قائم تھے مگر پیسے کی کمی کی وجہ سے ایک مدرسہ توڑ دیا گیا تاہم تین مدرسے اس وقت بھی قائم ہیں اور زمانۂ سابقہ سے اردو زبان کی خدمت کرتے آ رہے ہیں۔ دو مدرسوں میں حروف تہجی سے لیکر ختم قرآن شریف، نیز انجمن حمایت اسلام لاہور کے اردو قاعدے سے لے کر چوتھی پانچویں کتاب تک نیز اسی مناسبت سے ہندی، انگریزی اور حساب وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے۔ حافظ بھی اسی کے ساتھ ہے۔ انھیں مدرسجات کے تیسرے شعبہ میں آج تین سال سے ... ادیب کا سنٹر قائم ہے اور اس کا تعلق جامعہ اردو علی گڑھ سے ہے۔ اس میں ابتدائی ادیب سے لیکر، ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل تک کی تعلیم ہوتی ہے اور آج تک مسلسل اس شعبہ کے طلبا ۹۹ فیصدی کامیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

(۴) جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ انجمن چندے کے ذریعے قائم ہے مگر عام چندے کے ذریعے نہیں بلکہ گنتی کے چند مخصوص حضرات اس میں چندہ دیتے ہیں ان چندہ دہندگان میں جناب مٹے خاں صاحب ٹھیکدار کا زیادہ حصہ ہے اور وہی اس انجمن کے صدر اعلیٰ ہیں صاحب موصوف کا شمار یہاں کے معززین اور رؤسا حضرات میں ہے۔ سب سے زیادہ چندہ دینے کے علاوہ اپنے ہی پیسے سے طلبا کی درسی مطبوعات نیز دیگر متعلقہ درسی ضروریات کی فراہمی بھی فرماتے ہیں۔ نیز قرآن خوانی میلاد اور اعراس بھی کراتے رہتے ہیں۔ مزید مسلمانان دھول پور اکثر و بیشتر مشاعرے وغیرہ بھی کراتے رہتے ہیں۔ نیز انجمن کے نام دو تین دکانیں ہیں جن کا کرایہ یہاں کی مساجد کی مرمت اور روشنی و دیگر امور نیک یا کار خیر میں صرف ہوتا ہے۔

(۵) ہر سہ مدرسجات میں تین مدرس ہیں ایک مدرسہ علیحدہ ہے اور دو مدرسے ایک ہی جگہ ہیں۔ ایک مدرسے میں ایک مدرس کے ذمے قریب ۸۰ لڑکوں کی تدریس ہے۔ دوسرے مدرسے میں مذکورہ تعداد سے کہیں زیادہ کی تدریس کا ذمہ دوسرے مدرس صاحب کے ذمے ہے اور اسی مدرسے میں ادیب کا سنٹر ہے جس کی تعلیم میرے ذمے ہے۔

(۶) طلبا کی کثرت اور اساتذہ کی کمی کا سبب یہ ہے کہ شہر میں کسی جگہ ان مدرسوں کے علاوہ اردو کا کوئی مدرسہ نہیں۔ اگرچہ چند حضرات نے دو تین جگہوں پر چار روپے تعلیمی نشستیں قائم کر لی ہیں مگر ان میں طلبا سے ماہانہ فیس لے کر درس دیا جاتا ہے۔ ہمارے مدرسوں میں طلبا سے کسی وقت بھی کسی حالت میں کسی قسم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بلکہ سپارے قرآن پاک۔ نماز کی مطبوعات۔ ادیب وغیرہ کے کورس اور دیگر مطبوعات بھی بالکل مفت دی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے طلبا کی تعداد میں اضافہ

اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اسکول ٹائم کے علاوہ اساتذہ بلا کسی معاوضہ کے طلباء کو گھر پر بھی پڑھاتے ہیں۔ کیونکہ اتنے تھوڑے عرصے میں اس قدر کثیر تعداد طلباء کا حسب دستور درس دیا جانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے بیشتر یہاں کی کمی پیسے کی قلت کے سبب ہے۔ اساتذہ کی تنخواہیں نہایت قلیل ہیں جن کے ذریعے گزر معاش نہیں ہوتی ہر وقت پریشان اور مقروض رہتے ہیں۔ ملازمت چھوڑنا اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اتنی قلیل تنخواہوں پر کوئی اور مدرسین کام نہیں کر سکتے ایسی حالت میں یعنی نوکری چھوڑنے سے مذکورہ اسکولوں کا چلنا کچھ مشکل ہے اور اسکولوں کے ٹوٹ جانے سے سمجھئے کہ اردو زبان دھولپور سے رخصت ہے۔ بچے موجودہ اور آنے والی نسلیں اپنی تہذیب کی اہمیت کو سمجھنے سے بھی قاصر رہیں گی۔ یہ خیال کرتے ہوئے تکلیف برداشت کرتے ہیں اور قلیل تنخواہ پر قوم کی نیز اردو زبان کی خدمت کئے جا رہے ہیں۔

(۷) اب آپ سے عرض ہے کہ آپ اس طرف حکومت کی توجہ کو مبذول کرانے کی کوشش فرما کر ہمارے اسکولوں کو گورنمنٹ سے ہر قسم کی امداد دلانے کی سعی فرمائیں۔ نیز انجمن کو اسٹیٹ سے جو امداد ملا کرتی تھی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہو کہ عرصے سے بند ہو گئی اس کے اجراء کی کوشش فرمائیں۔ ایسا کرکے آپ اردو ادب پر خصوصاً ان طلباء پر بڑا احسان کریں گے جو اردو پڑھنا چاہتے ہیں اور ان طلباء کے والدین یا ورثہ کے دل سے آپ کے لئے دعائے خیر نکلے گی جو اپنے بچوں کو اردو پڑھانا چاہتے ہیں مگر نہایت مفلوک الحال ہیں۔

(۸) نیز ہمارا یہ ایک خاص مطالبہ ہے کہ یہاں کے سرکاری مدرسوں میں اردو پڑھانے والے مدرسین کا تقرر فرمایا جائے کیونکہ یہاں کے جملہ سرکاری مدرسوں میں اردو پڑھنے والے طلبا کی کثیر تعداد موجود ہے۔ آنجناب مع تعلیمی شعبوں کا کوئی بھی اعلیٰ افسر ہمارے اسکولوں نیز سرکاری مدرسوں کا معائنہ فرمائیں۔ ہمارے اسکولوں کو گورنمنٹ سے امداد دلوا کر ان کے معیار کو بلند کریں اور سرکاری مدرسوں میں اردو پڑھانے والے مدرسین کو مقرر فرمائیں۔

(۹) ہماری اس رپورٹ کو شائع فرمانے کی کوشش فرمایئے اور اس آواز کو اردو کے جملہ مراکز میں پہنچانے کی سعی فرمایئے۔

(۱۰) ہماری انجمن نیز تعلیمی شعبوں کے صدر اعلیٰ جناب متے خاں صاحب اور نائب صدر جناب قاضی سید منظور حسن ایڈووکیٹ سکریٹری جناب ڈاکٹر مولوی محمد شفیع خاں صاحب نوری ہیں۔ ان مذکورہ حضرات میں سے کسی سے امور متعلقہ کی معلومات کرنا اور ان سے ملنا ضروری اور لازمی ہے۔

حکومت اتر پردیش کی اردو نوازی

لکھنؤ، ۹ اگست۔ حکومت یوپی نے ہندی ادبی فنڈ سے اردو کی اعلیٰ تصانیف پر انعامات دینے کی جو اسکیم جاری کی ہے اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اردو مصنفوں کی طرف سے کچھ زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا گیا۔

انعامات دینے کی اسکیم حکومت یوپی کی مقرر کردہ اردو مشاورتی کمیٹی کی سفارش پر چلائی گئی ہے۔ تصانیف کے موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ نومبر رکھی گئی ہے۔

گزشتہ سال بھی حکومت کی طرف سے دو ہزار سات سو پچاس روپے کے انعامات اردو مشاورتی کمیٹی کی سفارش پر اردو کی اعلیٰ تصانیف پر دئے گئے تھے۔ اس اسکیم کے تحت صرف یوپی کے اردو مصنفوں کو انعامات کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

انعامات کے لئے یہ کتاب کے چھ نسخے جو آرٹ، سائنس اور ادب کے موضوع پر ہوں، سکریٹری گورنمنٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کونسل ہاؤس لکھنؤ کے نام آنے چاہئیں۔ اور وہی کتابیں آنی چاہئیں جو جنوری ۱۹۵۲ء کے بعد چھپی ہیں اور جن پر سن اشاعت بہت واضح طور پر درج ہو۔

آل انڈیا انٹر یونیورسٹی اردو مقابلہ

دہلی یونیورسٹی کی بزم ادب ہندوستان کے تمام کالجوں و یونیورسٹیوں کے طالب علموں کو مندرجہ ذیل عنوان پر مضمون لکھنے کی دعوت دیتی ہے۔

ہندوستان کی تہذیبی ترقی میں اردو کا حصہ کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہئے؟

(۱) مضمون کم سے کم فل اسکیپ کے تیس صفحوں پر پھیلا ہوا ہو اور نہایت خوشخط صفحے کے ایک طرف لکھا جائے۔ بہتر ہو ٹائپ کیا ہوا ہو۔

(۲) تمام مضامین شعبۂ اردو یا ادارے کی معرفت ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر بزم ادب دہلی یونیورسٹی دہلی کے نام پہنچ جانا چاہئیں۔

(۳) بہترین مقالہ نگار کو ایک طلائی تمغہ انعام میں دیا جائے گا۔

(۴) بہترین مضمون کا انتخاب یونیورسٹیوں کے اساتذہ کا ایک بورڈ کرے گا جس کا فیصلہ قطعی اور آخری سمجھا جائے گا۔

(۵) مقابلہ میں شرکت کی اطلاع ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء تک آ جانا ضروری ہے۔

گوپی چند نارنگ۔ ایم۔ اے

سکریٹری بزم ادب۔ دہلی یونیورسٹی دہلی۔

تبصرے

(جس کتاب کی دو جلدیں تبصرے کے لئے وصول نہیں ہوں گی افسوس ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ شائع نہیں ہوگا)

ادبی اقدار

سلیم احمد صاحب کے چار مضامین

(۱) اکبر اور ان کا زاویۂ نظر

(۲) زندگی ادب میں

(۳) ادبی اقدار

(۴) اردو غزل

کا مجموعہ ہے جس کی اشاعت کے بارے میں "ادبی موت" کے عنوان سے انھوں نے نہایت ہی دیانت داری کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"اردو ادب کی حالت اچھی ہوتی تو میں یہ مضامین پیش کرتے ہوئے شرماتا۔ لیکن جب لوگ عبادت بریلوی اور ممتاز حسین کو پڑھ لیتے ہیں تو پھر مجھے بھی کچھ زیادہ شرمانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

اس سے بہتر اور منصفانہ تبصرہ شاید ہی کسی اور مصنف نے اپنی "ذہنی" اور فکری "تخلیقات" پر کی ہوگی اور یہی بے لاگ تبصرہ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے جس نے نہ صرف اس کے مصنف کا مرتبہ بلند کر دیا ہے بلکہ کتاب کو بھی لائق مطالعہ بنا دیا ہے

دوسری خوبی اس کتاب کی یہ ہے کہ اس پر پیشہ ور حاشیہ نویسوں کی دو سطری رائیں نہیں ہیں

نہ کوئی دیباچہ ہے، نہ پیش لفظ ہے نہ تقریظ ہے نہ تعارف ہے نہ سخن ہائے گفتنی قسم کی کوئی اور بات ہے۔ ورنہ یہ وبا تو اب اتنی عام ہو گئی ہے کہ دس جزو کی اگر کتاب ہوتی ہے تو ساڑھے تین جزو پیشہ ور دیباچہ نویسوں کے خرافات کیلئے وقف کر دیا جاتا ہے۔

سلیم احمد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے پورے غور و فکر کے بعد لکھا ہے اور شہرت سے زیادہ خدمت کے جذبے کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے۔ کتاب کی قیمت ایک روپیہ دس آنے، اور ملنے کا پتہ یہ ہے۔ مرکز ادب۔ مشن روڈ۔ کراچی۔

کتابت طباعت اور کاغذ بہتر ہے مگر کتابت کی غلطیوں کی طرف کم توجہ کی گئی ہے۔

شیشوں کا مسیحا

دیوندر اسر کے آٹھ افسانوں کا مجموعہ ہے جس کو حلقۂ ارباب فکر کراچی نے شائع کیا ہے۔ اور ایک روپے آٹھ آنے میں مرکز ادب مشن روڈ کراچی سے مل سکتا ہے۔

ان افسانوں پر فراق گورکھپوری، کرشن چندر اور احتشام حسین صاحب کی دو سطری رائیں بھی شائع کی گئی ہیں۔ کرشن چندر تو خیر افسانوی دنیا کے آدمی ہیں اور ان کی رائے کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔ مگر فراق صاحب اور احتشام صاحب کی رائیوں کی اشاعت کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے کوئی حسرت موہانی کے کلام پر فیضو پہلوان سے رائے لکھوائے یا مولانا آزاد کے ترجمان القرآن پر عنایت خاں ستارے کی تقریظ شائع کی جائے۔

دیوندر اسر نئے لکھنے والوں میں اپنی جگہ متعین کر چکے ہیں اور کافی سوچ سمجھ کر لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں ان کا سماجی شعور نمایاں نظر آتا ہے۔

حیرت انگیز سچی کہانیاں

مرتبہ مس پروین۔ کاغذ معمولی قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ راجہ رام کمار بک ڈپو، نول کشور پریس لکھنؤ۔

مس صاحبہ نے اپنی مرتبہ کہانیوں کو جو در اصل "واقعات" ہیں۔ گاندھی جی کے نام پر "معنون" کرنے کے بجائے ان کے نام سے منسوب کیا ہے۔ گویا یہ کہانیاں گاندھی جی سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کہانیوں کے اوراق کو پنڈت جواہر لال نہرو کی "خدمت میں پیش کرنے کے بجائے" کے "خدمت میں پیش کرنے کی تمنا رکھتی ہیں اور کہانیوں کا تعارف ان الفاظ میں کرائی ہیں۔

"ایک تجربہ کار انسان کی سچی آپ بیتی کہانیاں حیوانات کے عجیب و غریب حالات جو بیس سال تک ہندستان کے گنجان جنگلات میں رہ کر بچشم خود دیکھے۔"

اس عبارت میں کیا کچھ نہیں ہیں۔ کتاب کی اہمیت، مس صاحبہ کی [illegible] کا نمونہ اور کہانی کی حقیقت، مقامات کے نام کہیں کہیں غلط درج ہو گئے ہیں جیسے بہرائچ کا مشہور مقام رو پیڈیہہ کے بجائے رو پچدیہہ بن گیا ہے اسی طرح عبارت کی ترتیب میں بھی کافی خامیاں ہیں۔

صبا ماہانہ رسالہ ہے جو سلیمان اریب صاحب کی ایڈیٹری میں ۱۰ مجردگاہ معظم جاہی مارکیٹ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے۔ اس وقت تک اس کے تین نمبر شائع ہو چکے ہیں اور ہر نمبر کو کامیاب نمبر شائع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پیش نظر رسالہ تیسرا نمبر ہے جو کافی محنت اور سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔

اس رسالے کی ایک مجلس مشاورت بھی ہے جس کے ارکان میں حبیب الرحمان صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدرآباد فضل الرحمان صاحب ۔۔۔ صدر پریم چند سوسائٹی حیدرآباد۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں (اردو غزل کے مصنف) رائے جانکی پرشاد سابق ناظم اطلاعات عامہ حیدرآباد۔ پنڈت سری رام شرما معتمد ہندی پرچار سبھا حیدرآباد اور سری نواس لاہوتی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔

جس رسالے کی مجلس مشاورت میں ایسے صائب الرائے اصحاب شامل ہوں اس کی کامیابی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے

توقع ہے کہ رسالہ اگر صرف ترقی پسند ادب اور ادیبوں کا آرگن نہیں رہا تو اس کی ترقی کے کافی امکانات ہیں۔ سالانہ چندہ سالنامہ سمیت آٹھ روپے۔۔ اور ایک پرچے کی قیمت دس آنے ہے۔ سائز ۲۰×۳۰ صفحات ۸۰ کاغذ اوسط کتابت طباعت بہتر ٹائٹل دیدہ زیب رنگین۔

چنو منو کی کہانی اس کہانی کے مصنف کوئی صاحب نگینہ جوہری ہیں جو بچوں کی کہانیوں کی دنیا میں شاید پہلے پہل آئے ہیں یہی وجہ ہے ان کی اس کہانی میں زبان و بیان کی بہت سی خامیاں ہیں۔ بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کی "ذہنی اور فکری" تہذیب کو سنوارنے کا کام بڑا مشکل ہے اور دلچسپ انداز میں ان کے لئے سبق آموز اخلاقی کہانیوں کی تخلیق اور مضامین سپرد قلم کرنا تو مشکل تر ہے۔ اس کے لئے بہت ہی غور و فکر اور کافی تجربے کی ضرورت ہے کتاب کی قیمت پانچ آنے رکھی گئی ہے۔

کتابت معمولی ہے کاغذ ہلکا اور میلا استعمال کیا گیا ہے۔ ٹائٹل دیدہ زیب رنگین ہے۔ بہارستان پبلشرز۔ بالا ہندو راؤ دہلی نے شائع کی ہے۔

اردو کی خبریں

پٹنہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی عام سالانہ ممبر سازی کا پروگرام جاری ہے تاکہ بہار کے کونے کونے میں انجمن کے ممبر بنائے جا سکیں۔ اکتوبر کے اوائل میں مقامی شاخوں کے انتخابات کرادے جائیں گے اور نومبر کے آخر میں ریاستی شاخ کا عام انتخاب بھی مرکزی انجمن کے قواعد کے مطابق ہو جائے گا

ان تاریخوں یا مدتوں میں اضافہ کا مطلق امکان نہیں اس لئے تمام تر شاخوں میں ریاست کے ہر ذمہ دار اردو دوست سے یہ پرزور اپیل کی گئی ہے کہ اپنے اپنے علاقے میں پورے شد و مد سے ممبر سازی کا کام شروع کر دیں تاکہ ریاستی انجمن میں ریاست کے ہر حصے کے اردو نواز حضرات کی پوری نمائندگی ہو سکے گی مرنے کہ ممبروں کی تعداد پر ہی ریاستی کونسل میں نمائندگی کا انحصار ہوگا۔

راجستھان باراں ضلع کوٹہ راجستھان میں ایک گورنمنٹ مڈل اسکول ہے جہاں اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ طلبا کے سرپرستوں نے انسپکٹر تعلیمات کوٹہ سے درخواست کی ہے کہ ہمارے بچوں کو بچوں کی مادری زبان میں ۔۔۔ تعلیم دینے کا معقول انتظام کیا جائے

یہ درخواست وزراء تعلیم کی کانفرنس منعقدہ دہلی کے فیصلہ کے مطابق دی گئی ہے جس میں طے کیا گیا تھا کہ اگر کسی اسکول میں چالیس لڑکے ہوں یا کسی کلاس میں دس لڑکے ہوں جو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو محکمہ تعلیم کا فرض ہوگا کہ ایسے طلبہ کے لئے ٹیچر کا انتظام کرے باراں کے اسکول کی کلاس میں دس طلبہ کی تعداد مہیا ہے جن کے سرپرستوں کا مطالبہ ہے کہ انھیں بچوں کی مادری زبان اردو میں تعلیم دی جائے۔ اس مطالبہ کی حمایت میں ہندو مسلمان سندھی سب ہی شامل ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ حکومت راجستھان اہل باراں کے اس جائز مطالبہ کی جانب فوری توجہ دے گی اور اسکول میں اردو تعلیم کا انتظام کرے گی اس طرف جلد قدم اٹھانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ بچوں کا وقت ضائع نہ ہو اور ان کی تعلیم کا نقصان نہ ہو۔

اردو ادب کی ہندی میں جھانکی

"اردو ساہتیہ کا اتہاس"

مولف سید احتشام حسین (لکھنؤ یونیورسٹی)
ناشر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔
تعداد صفحات ۳۰۰۔ ڈیمائی اٹھ پیجی
قیمت ساٹھ روپیہ چار آنے۔

معاصر روزنامہ ہندستان نئی دہلی لکھتا ہے کہ اردو میں تو اردو ادب کی کتنی ہی تاریخیں ہیں لیکن یہ تاریخ راشٹر بھاشا پرچارنی سبھا کی تحریک پر ہندی میں لکھی گئی ہے۔ ساری کتاب گیارہ فصلوں یا بابوں میں منقسم ہے۔

اردو کی پیدائش، اس کی نشوونما اور اس کا مختلف زمانوں اور مختلف حالتوں سے گزرتے ہوئے موجودہ حد تک پہنچنے کا بہت ہی سادہ اور دلکش بیان کیا ہے۔ نثر و نظم دونوں کی پر اثر توضیح ہے۔ مشہور شاعروں اور ادیبوں کا مناسب ترین لیکن مختصر تذکرہ ہے۔ شاعری کے نمونے بھی دئے گئے ہیں۔ فٹ نوٹ میں مشکل الفاظ کی ہندی میں تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ کتاب کے مولف جناب سید صاحب ادیب کے خصوصی ماہر اور عالم ہیں۔ اس لئے کتاب کا اہم اور مفید ہونا طبعی ہے۔ ہندی میں اردو کا یہ پہلا اتہاس نہیں ہے۔ کئی اتہاس اور بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ایسی ہی ایک تاریخ 'اردو ساہتیہ' پریچے' نام کی شری ہری شنکر شرما کی لکھی ہوئی ہے جو سات سو صفحات میں ختم ہوئی ہے۔ اور چھ سات برس پہلے شائع ہو چکی ہے۔

ہماری رائے میں سید صاحب کی یہ کتاب تاریخ کے نقطۂ نظر سے کچھ اور وسیع ہونی چاہئے تھی جگہ کی کمی کے باعث اکثر جگہ بہت ہی اجمال اور اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

کتاب کی ابتدا میں اردو کی پیدائش کی عالمانہ انداز میں تشریح کی گئی ہے۔

اردو کے مشہور ترین ادیب مولانا محمد حسین آزاد نے اب سے تقریباً سو برس پہلے لکھی ہوئی اپنی کتاب آب حیات میں اردو کی تخلیق برج بھاشا سے مانی ہے لیکن سید صاحب کی رائے ہے کہ دہلی کے قرب و جوار بولی جانے والی مختلف بولیوں میں عربی فارسی وغیرہ زبانوں کے میل جول سے اردو کی پیدائش ہوئی ہے اور شروع میں اردو کا نام ہندی یا ہندوی ہی رہا۔ لیکن انیسویں صدی کی ابتدا میں اسے اردو کا نام دیا گیا۔

جو ہو- ہم تو اردو کو ہندی ہی کا ایک اسلوب مانتے ہیں ایسا اسلوب جس میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، ہندی، انگریزی زبانوں کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ خود اردو زبان کے اپنے کون سے الفاظ ہیں۔ یہ ہمیں نہیں معلوم۔ صرف دکن میں اردو نے ہندی ہی کا اسلوب اپنایا ہے اور اردو میں ابھی بھی وہی مستعمل ہیں جو ہندی کی ہیں۔

پھر بھی اردو اس دیش کی ایک خاص زبان بن گئی جس میں نہایت اعلیٰ اور نفیس ادب ہے۔ اور بڑے بڑے شاعر اور ادیب ہوئے ہیں۔

ہندی والوں کے لئے اس قسم کی کتابیں لکھوا کر بڑا کام کیا جا رہا ہے۔ اس عمدہ کوشش سے انھیں استفادہ کرنا چاہئے ہم چاہتے ہیں کہ ہندی ادب سے اردو دنیا بھی روشناس ہو، وہ بھی ہندی کی عظمت اور اس کے مقام کو پہچانیں۔ یعنی ہندی سے متعلق اردو میں ایسی کتابیں شائع کی جائیں۔ اس قسم کی کوششیں جانبین کے لئے مفید ثابت ہوں گی وہ ادب اور تمدن کے نقطۂ نظر سے دونوں زبانیں بولنے والوں کو قریب لانے میں معاون ہوں گی۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ یہ اتہاس بڑی جانفشانی سے کیا گیا ہے۔ پر معلومات سے پُر ہے۔ ہندی دنیا میں اس کی آؤ بھگت ہونی چاہئے۔

قابل مصنف ایسے کار آمد اور مفید تصنیف کے لئے قابل مبارکباد ہیں۔

اس کتاب پر ہندی کے مشہور ماہانہ رسالہ "نیا پتھ" لکھنؤ اور "سمیلن پتریکا" پریاگ (الہ آباد) نے بھی بہت اچھے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور ہندی زبان اور ادب کے پریمیوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں کیونکہ اس کے مطالعہ سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی جو اردو زبان سے متعلق نادانوں نے پھیلائی ہیں۔

(پرنٹر و پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا)